ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.3(2023)
(October to December)

آغا سکندر مہدی کی مرثیہ گوئی

Elegy Writing of Agha Sikandar Mehdi

منیر احمد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، خان پور
محمد یوسف نون
لیکچرر شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور (رحیم یار خان کیمپس)
محسن خان
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Munir Ahmad
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Graduate College, Khanpur
Muhammad Yousuf Noon
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliyat, The Islamia University of Bahawalpur (Rahim Yar Khan Campus)
Mohsin Khan
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

Abstract:
This article is about Agha Sikandar Mehdi's art of eulogy in Bahawalpur. Who has priority among the obituaries of Bahawalpur. After a brief introduction to Agha Sikandar Mehdi, the compositional elements of his elegiac art, as well as a research and critical review of his elegiac, evocative, sentimental, episodic and artistic tradition formation, have also been examined. Agha Kashaari's philosophy and approach is aesthetic. He is very convinced of good deeds with good thoughts. He has expressed his ideas about poetry, especially eulogy, at many places in the eulogies. They make the dirge an example of the intensity of thoughts, the greatness of thoughts and the rarity of thoughts. Besides being a reformist poet, Agha Sikandar Mehdi also possessed oratorical thought in terms of temperament and oratory was also a desirable hobby of his scholarly scholarship. He maintained this field in his poetic process as well

Keywords: Agha Sikandar Mehdi, Meer Anees, Meer Dabeer, compositional, eulogies, reformist poet, maintained

آغا سکندر مہدی ۳۰ جون ۱۹۲۸ء کو اپنے آبائی وطن رائے بریلی (یوپی) میں پیدا ہوئے (۱) وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں ان کے والد سید ظفر مہدی رحلت فرما گئے۔ سایۂ پدری اٹھ جانے کے بعد آغا سکندر مہدی کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ یونی ورسٹی سے بی اے کیا۔ ۱۹۵۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ٹی کا امتحان پاس کر کے پاکستان چلے آئے اور یہاں محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ پانچ سال حسن ابدال میں اور چار سال جوہر آباد میں گزارے۔ ۱۹۵۹ء میں بہاول پور آئے۔ یہاں ۱۹۶۴ء تک گورنمنٹ عباسیہ اسکول میں بحیثیت معلم اپنے فرائض انجام

دیتے رہے۔ اسی عرصہ میں آپ نے ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کو تنظیم مکاتیب ضلع بہاول پور کا ناظم مقرر کیا گیا۔ فروری ۱۹۶۸ء سے ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز بہاول پور ڈویژن کے عہدہ پر خدمات سر انجام دیتے رہے۔ سب سے پہلے ہم آغا سکندر مہدی کے مرثیوں میں ان کے اسلوب کا جائزہ لیتے ہیں۔

زبان و بیان:

آغاؔ کے مرثیوں کی زبان پُر شکوہ اور لطیف الفاظ کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ انہیں انتخاب الفاظ کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ ان کے مرثیوں میں لکھنوی شعری روایت کے اثرات جابجا ملتے ہیں۔ الفاظ و تراکیب کے انتخاب میں پاکیزگی، نفاست اور لطافت ان کا معیار ہے۔ مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے الفاظ استعمال کرنے پر آغاؔ کو قدرت حاصل ہے۔ حضرت علمدارؓ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

مرکز حق و صداقت ہیں جناب عباسؓ
محور عزم و شجاعت ہیں جناب عباسؓ
وصف رمز اطاعت ہیں جناب عباسؓ
سایہ حسن امانت ہیں جناب عباسؓ
یاد کس طرح سے معصوم نے فرمایا ہے
عبد صالح کا زیارت میں لقب آیا ہے (۲)

آغاؔ کے انداز میں دبستان دہلی کی سادگی بھی ہے اور دبستان لکھنؤ کی پرکاری بھی۔ آغاؔ نے خالص لکھنوی انداز میں فصیح تر الفاظ استعمال کیے ہیں اور صنعت الفاظ کے ساتھ ساتھ معنویت کے پہلو کو بھی بہت بلند رکھا ہے۔ آغاؔ کے کلام میں بے جا مبالغہ کو دخل نہیں روزمرہ، تشبیہات اور استعارات کے موزوں استعمال سے آغاؔ کے مرثیے دلکش اور پُر تاثیر ہو گئے ہیں۔ زبان پر انہیں پورا عبور حاصل ہے۔ وسیع ذخیرۂ الفاظ، مترنم اور رواں تراکیب اور صنائع بدائع کے موزوں استعمال سے انہوں نے حسنِ کلام کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ الفاظ پر زور دینے سے کلام میں روانی نہیں رہتی یا کم ہو جاتی ہے اور واقعہ کی اصلی اور صحیح تصویر نہیں بنتی۔ آغاؔ نے صحتِ الفاظ کے باوجود کئی خوبصورت تصاویر بنائی ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیے۔

بیچ دریا کے جو سمائے سکینہ آیا
اہل باطل کو ندامت سے پسینہ آیا
بڑھ کے تعظیم کو موجوں کا سفینہ آیا
سر جھکائے ہوئے پانی کا خزینہ آیا
تھا علمدار جو مشکیزہ معصوم لئے
بڑھ کر دریا نے عقیدت سے قدم چوم لیے (۳)

آغاؔ موضوعات کی بلندی اور الفاظ کا حسن دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ الفاظ کے انتخاب اور وسعت میں پوری احتیاط اور صنعت کاری سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لکھنوی شعراء کی طرح سخن کاری ان کا مطمع نظر ہے۔ صنائع بدائع کے اعتبار سے آغا ایک صناع کار ہے انہیں الفاظ کے استعمال اور ان کی نشست کا پورا شعور ہے ان کے ہاں الفاظ دھلے دھلے، نکھرے نکھرے معلوم

ہوتے ہیں۔ الفاظ کے چناؤ میں زیادہ منہمک نظر آتے ہیں اور موضوع کی مناسبت سے الفاظ بھی بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ چنتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی زبان پُر تکلف ہے اور استعمال الفاظ میں قدیم الفاظ بھی جدید الفاظ اور بھلے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ الفاظ اور شعری زبان کی وسعت کے لحاظ سے وہ انیسؔ کے برابر نہ سہی مگر ان کے نزدیک ضرور ہیں۔ لفظوں کی تراش خراش اور حسن کاری کے انداز ان کے مرثیوں میں اکثر نظر آتے ہیں۔

آغا سکندر مہدی کا انداز نگارش منفرد اور دلکش ہے ان کی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ لکھنوی ماحول کے اثر سے صنائع لفظی و معنوی کا چسکانہ صرف برقرار رہا بلکہ کچھ اور پختہ ہو گیا۔ اس پُر تکلف انداز بیان کو انہوں نے اپنے ہر رنگ کے مراثی میں برتا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے واقعات و حقائق میں تصرف کرنا موزوں نہیں سمجھا بلکہ واقعے کی روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیان میں لفظی و معنوی خوبیوں اور دلکش تشبیہات و استعارات کے استعمال سے اتنی دلکشی پیدا کرنے کی کوشش ہے جتنی کہ سامع یا ناظر کو متوجہ رکھنے کے لئے ضروری تھی۔ ان کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ واقعات میں اپنی طرف سے تحریف کریں اور حقیقت کو افسانے کے رنگ میں پیش کر کے سامعین کی دلچسپی برقرار رکھیں۔ دوسرا یہ کہ لفظی و معنوی محاسن شعری کے استعمال سے کلام میں وہی جاذبیت اور کشش پیدا کریں جو افسانے میں ہوتی ہے تاکہ لوگ توجہ سے سلسلہ مضامین کو سنتے یا پڑھتے رہیں۔ انہوں نے پہلی بات کو دیانت کے خلاف سمجھ کر اس سے اجتناب کیا ہے اور دوسری راہ کو بے ضرر سمجھ کر اختیار کر لیا ہے۔

مرثیے کے مرکزی موضوع دو ہیں ایک عقیدت اور دوسرا غم انگیزی۔ ان دونوں مقاصد کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شعر دل کی گہرائیوں میں نہ اُتر جائے بلکہ اشعار تسلسل اور پوری تاثیر کے ساتھ انسان کے احساس اور جذبات کو نہ چھیڑتے رہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی واقعہ آنکھوں کے سامنے گزر رہا ہو تو اس سے انسان بہت جلد متاثر ہو سکتا ہے لیکن جو واقعہ ہم نے خود نہیں دیکھا اور اس کا صرف ذکر کر رہے ہیں اس سے ہمارا دل جلد متاثر نہیں ہو سکتا کہ ادھر ہم نے سیدھی سادھی بات زبان سے نکالی اور ادھر سامع پر اثر ہو گیا۔ بلکہ اس کے لئے انسان کے تمام قوائے باطن کو جھنجھوڑنا اور حرکت میں لانا پڑتا ہے جس کے بعد دل ساری قوتوں کے استعمال سے نرم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ شاعر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اس نظریے کے پیش نظر آغا سکندر مہدی نے مراثی میں برجستگی اور بے تکلفی سے صنائع کے استعمال کو ضروری سمجھا۔ اس فنی مہارت اور دسترس کو درج ذیل بند میں ملاحظہ کیجئے۔

مجلس میں ذکر گر قاسم گل پیرہن ہوا
نو شاہ فکر حسن عروس سخن ہوا
جوش ولا بڑھا تو چمن نغمہ زن ہوا
عنوان بیاں کا جان امام حسنؑ ہوا
تیرہ برس کا سن ہے محمدؐ کی آل ہے
چہرے کا نور کہتا ہے بدر کمال ہے (۴)

آغا کا شعری مسلک اور نقطہ نظر جمالیاتی ہے۔ وہ حسنِ فکر کے ساتھ حسن ادا کے بہت قائل ہیں۔ انھوں نے مرثیوں میں کئی مقامات پر شاعری خصوصاً مرثیہ گوئی کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔ وہ مرثیہ کو شدتِ افکار، عظمتِ افکار اور ندرتِ

افکار کا نمونہ بنا دیتے ہیں ان کے نزدیک مرثیہ حسنِ خیالات، شدت جذبات، حمد و مناجات اور فن کی روایات میں سب سے افضل ہے۔ وہ اسے مدحت آلِ محمدؐ کا وظیفہ اور ذکر سرکار دو عالم کا صحیفہ قرار دیتے ہیں۔ صنف مرثیہ کے بارے میں اپنے شعری نظریات کا اظہار انہوں نے بہت واضح الفاظ میں کیا ہے کیونکہ یہ ان کی مرغوب صنف ہے۔ ان کے خیالات اور نظریات کو کافی حد تک نمایاں کرتا ہے۔

مرثیہ شدت جذبات کا آئینہ ہے
قوم کی رسم و روایات کا آئینہ ہے
ذات باری کی مناجات کا آئینہ ہے
مرد مومن کی مناجات کا آئینہ ہے
اشہب فکر سوئے عرش بریں جاتا ہے
رشک سے رنگ عطارد کا اڑا جاتا ہے (۵)

فکر انگیزی:

آغاؔ نے اپنی صلاحیت و ذہانت اور بصیرت سے کام لے کر نئی جہتیں متعین کیں اور نئے افق تلاش کئے۔ ان کا سب سے بڑا رثائی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مرثیہ کو ایسے عناصر اور ایسے افکار و مضامین سے ترتیب دیا کہ اس میں ہر مکتب فکر کے لوگوں کے لئے اپیل پیدا ہو گئی ہے۔ آغاؔ کا یہ اندازِ فکر اس قدر مؤثر ہے کہ ایک جانب فرقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے صاحبان علم و حکمت نے آغاؔ کے مراثی پر دل کھول کر خراج عقیدت پیش کیا ہے دوسری طرف اس جوش و خروش سے فرقہ جعفریہ سے تعلق نہ رکھنے والے ملک و قوم کے متعدد ادیبوں اور دانشوروں نے آغاؔ کے مرثیوں کی صدق دل سے تعریف کی ہے جن میں جناب مسعود حسن شہاب دہلوی، جناب طاہر صدیق، تابش الوریٰ اور جناب ارمان عثمانی پیش پیش ہیں۔ یہی نہیں بلکہ فرقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے ملت اسلامیہ کے دوسرے فرقوں کے ایسے علماء بھی شامل ہیں جنہوں نے آغاؔ کے مرثیوں پر اس جوش و خروش سے قلم اٹھایا ہے جس سے آغاؔ کے مراثی اسلامی تعلیمات کا خزینہ نظر آتے ہیں۔ آغاؔ کے تمام مرثیے صالح جذبات کی پرورش و تربیت میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں اور نئے ذہنوں کو مادی آلودگی سے محفوظ کرتے ہوئے پاکیزہ اقدار کی تعمیر میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

سوز و گداز:

آغاؔ کے مرثیوں کے بارے میں اس رائے کا اکثر اظہار کیا گیا ہے کہ ان کے مرثیے جذبات پر زیادہ اثر نہیں ڈالتے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جنگ اور شہادت کا بیان مختصر کرتے ہیں اس لئے سوز و گداز اور بین کی فضاء ان کے یہاں کم ہے۔ دراصل آغاؔ مرثیے سے بین کا کام نہیں لینا چاہتے بلکہ اس وسیلے سے اس حسن یا پیغام کو سامنے لانا چاہتے ہیں جو شہدائے کربلا کی قربانیوں نے انسانیت کو دیا ہے۔ آغاؔ کی نظر میں تعلیم یہ ہے اور وہ اس تعلیم کی روشنی سے عصر حاضر کو منور کرنا چاہتے ہیں۔ آغاؔ کے اسی نقطہ نظر نے ان کے مرثیوں کو جذبات خیز بنانے کی بجائے فکر انگیز بنا دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آغاؔ نے اس فکر انگیزی کے باوجود مرثیے کی روایت سے رشتہ نہیں توڑا۔ ان کے مرثیوں میں ایسے مقامات اور ایسے بیانات موجود ہیں جو جذبات پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کے مرثیوں سے فکر اور جذبے دونوں کی اپیل ہوتی ہے۔ اکثر بیانات فکری سطح پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن کچھ حصے دل پر بھی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

کس طرح ذکر زینبؓ خستہ جگر کروں
منزل سفر کی سخت ہے کس طرح سر کروں
کڑکیں کمانیں تیر کے بادل سے
زینبؓ کے لال خوں میں اپنے نہا گئے (۶)

جذبات انگیزی کے سلسلے میں آپ یہ بند ملاحظہ فرمائیں۔

کانٹے پڑے تھے حلق میں بے جان تھے خستہ تن
سون گئے تھے دھوپ کی شدت سے گل بدن
چہرے سے ایسا حسن شجاعت تھا ضو فگن
کچھ اور بڑھ گیا تھا شہادت کا بانکپن
ہاتھ پر مرثیوں کی لڑی دیکھتی رہی (۷)

اب ہم اجزائے ترکیبی کے حوالے سے آغا سکندر مہدی کے مرثیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ آغا سکندر مہدی کے مرثیوں میں چہرہ، سراپا، آمد، رخصت، بزم آرائی، اتمام حجت، گھوڑے کی تعریف، تلوار کی تعریف، شہادت، ماتم و بین اور دعا تقریباً سبھی اجزاء موجود ہیں۔ آغا سکندر مہدی کے مرثیے کے چہرے حمد و نعت کے اشعار سے مزین ہیں۔ تمام کے تمام مرثیے حمد و نعت سے شروع ہوتے ہیں۔ حمد و نعت کا ایک ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

لائق حمد و ثنا، ذات خداوند جلیل
خالق ارض و سما، ذات خداوند جلیل
منبع جود و سخا، ذات خداوند جلیل
مرکز لطف و عطا، ذات خداوند جلیل
لفظ بیکار ہیں، انداز بیاں قاصر ہے
اس کی تعریف سے انساں کی زباں قاصر ہے (۸)

☆

وجہ تخلیق بنی نور محمدؐ کی ضیا
روشنی پھیل گئی، ہو گئی معمور فضا
حکم خالق سے ہوئے جن و ملائک پیدا
گلشن عالم امکاں کا ہر اک پھول کھلا
قلزم نور میں حضرت کا سفینہ آیا
انبیاء بن گئے جب ان کو پسینہ آیا (۹)

حضرت قاسمؑ کا سراپا آغا سکندر مہدی نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

زلفیں ہیں یا کہ سایہ شمشیر حیدری
مثل گل شگفتہ ہیں رخساری
آنکھیں ہیں یا کہ نور کی کلیاں کھلی ہوئی
صبح یقیں ہے چہرہ اقدس کی تازگی
باغ حسن کے حسن کا آئینہ دار ہے
سر سے قدم تلک یہ سراپا بہار ہے (۱۰)

حرؓ کی شخصیت کا سراپا آغا سکندر مہدی نے یوں بیان کیا ہے۔

باایں اوصاف بڑا صاحب کردار تھا حرؓ
پاک طینت تھا، بہادر تھا نیکوکار تھا حرؓ
خلق و آئین، شرافت کا پرستار تھا حرؓ
گو تھا اعدا میں مگر حق کا طلبگار تھا حرؓ
ضربت فکر سے باطل کا فسوں توڑ دیا
حرؓ نے بہتی ہوئی تاریخ کا رُخ موڑ دیا (۱۱)

حضرت قاسمؑ کی میدان کارزار میں آمد کا نقشہ آغا سکندر مہدی نے یوں کھینچا ہے۔

آیا ہے رزمگاہ میں شبیرؑ کا لاڈلا
دل میں ہے جوش نصرت سلطان کربلا
ماتھے پہ ہے یقین کا سہرا سجا ہوا
ہے منتظر و نما کو یہ حکم امام کا
دُلھا بنا ہے دین کی عظمت کے واسطے
بے چین ہے عروس شہادت کے واسطے (۱۲)

☆

مقتل کی سمت قاسم گلگوں قبا بڑھے
ایسا لگا جہاد کو مشکل کشا بڑھے
دل میں لیے وہ جذبہ شوق و نما بڑھے
دولہا کی طرح سوئے عروس قضا بڑھے
تیور وہی تھے اور وہی آن بان تھی
حیدرؑ کا دن تھا محمدؐ کی شان تھی (۱۳)

رجز سے مقصود یہ ہے کہ رجز گو زیادہ تعریف کرے۔ مخاطب کو اشتعال دلائے۔ اس حصے میں جتنا مبالغہ ہو گا اتنا کامیاب ہو گا۔ آغا سکندر مہدی کے ہاں رجز کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

سلطان کفن پوش ہوں اور حق کا شناسا
ناشاد ہوں نگاہیں ارمان ذرا سے
پوتا شہہ مرداں کا ہوں کسری کا نواسا
مظلوم کا مظلوم ہوں اور پیاسے کا پیاسا
تصویر مری جلا مٹاؤ کوئی آکر
برچھی میرے سینے پر لگاؤ کوئی آکر (۱۴)

حضرت علی اکبرؓ اور حضرت حرؓ کی رخصت کا آغا سکندر مہدی اپنے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں۔

دی جو حضرت نع رضا حرؓ سر میداں بڑھا
ہو کے مسرور عالم شہ ذیشاں بڑھا
نصرت حق کا لیے سینے میں ارماں بڑھا
زور باطل کا کھٹا صاحب ایماں بڑھا
برہمی پائی جو لشکر میں ستمگاروں نے
فوج کو اپنی دلاسہ دیا، سرداروں نے (۱۵)

☆

کہا حسینؓ نے اکبرؓ تمہیں ہے اذان و نما
کیا تھا میں نے جو وعدہ وہ ہو گیا پورا
تمہارے خون سے نکھرے گا رنگ حسن وفا
علیؓ کا لال محمدؐ سے سرخ رو ہو گا
رکاب تھام کے ہلکا غموں کا بار کیا
حسینؓ نے علی اکبرؓ کو خود سوار کیا (۱۶)

تلوار کی تعریف میں آغا سکندر مہدی یوں رقم طراز ہیں۔

صورت برق چلی حرؓ جری کی تلوار
اہل باطل کے لیے ہو گیا، جینا دشوار
خاک پر خون میں غلطاں نظر آتے تھے سوار
کچلے دیتے تھے پیادوں کو ہر اک سو رہوار
گر تمہارے میں کوئی نقش بہ دیوار ہوا
حرؓ کی تلوار کے اک وار سے فی النار ہوا (۱۷)

حضرت قاسمؓ اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ایک ایک بند ملاحظہ فرمایئے جو آغا سکندر مہدی جیسے زور آور قلم کار کا ہی خاصا ہے۔

بکھرے زمین پہ قاسمؓ گل پیرہن کے پھول
ہر سمت سرخ تھے لخت حسنؓ کے پھول
رنگ حنا میں لال تھے نازک بدن کے پھول
مرجھا رہے تھے خاک پہ اس سیم تن کے پھول
مٹی میں مل چکا تھا بدن گل زار کا
خون بہہ رہا تھا، باغ حسن کی بہار کا (۱۸)

☆

تھے جو مصروف عبادت میں شہ جن و بشر
تیر مارا کسی ظالم نے کسی نے پتھر
گر پڑے خاک پہ تیور کے حضور انور
عصر کا وقت تھا سجدے میں گیا آپ کا سر
فرض طاعت کو ادا، وقت قضا کرتے تھے
ساتھ میں بخشش اُمت کی دعا کرتے تھے (۱۹)

☆

روح فرسا تھا عجب دشت بلا کا منظر
اک طرف بیکس و مجبور علیؓ کی دختر
اک طرف چور تھا زخموں سے محمدؐ کا پسر
ناگہاں خوں میں بھرا شمر شقی کا خنجر
بھوکے پیاسے نے جو معراج عبادت پائی
آندھیاں سرخ اُٹھیں شہ نے شہادت پائی (۲۰)

حضرت قاسمؓ اور حضرت علی اکبرؓ کی شہادت یہ بین و ماتم ملاحظہ فرمایئے۔ آغا سکندر نے کسی خوبی سے جذبات کی عکاسی کی ہے۔

خیمے میں آئے جبکہ شہنشاہ حق پناہ
درد و الم سے مادر قاسمؓ پہ کی نگاہ
زینبؓ کو دیکھا اور بھری ایک سرد آہ
فرش زمین پہ بیٹھ گئے شاہ عرش جاہ

پھر راہ حق کے تحفے مقبول رکھ دیے
سیدانیوں کے سامنے وہ پھول رکھ دیے (۲۱)

☆

دیکھے جو پھول خیمے میں کہرام مچ گیا
سیدانیوں میں شور تھا قاسمؑ کو کیا ہوا
وہ غم تھا، ام فروا کا آنسو نہیں تھما
اُٹھا امام اور یہ کمر تھام کر کہا
قاسمؑ کے پاس فوجوں میں جلدی نہ جا سکے
شرمندہ ہیں کہ لاش سلامت نہ لا سکے (۲۲)

☆

سن کر سخن امام کے بولی وہ خستہ حال
لاؤں زبان پہ حرف کوئی میری کیا مجال
میری دعا قبول ہوئی شاہ خوشخصال
شکر خدا جہاد میں کام آیا میرا لال
یہ کہہ کے پھر تصور قاسمؑ میں کھو گئیں
شاید کہ ضبط گریہ سے بے ہوش ہو گئیں (۲۳)

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت پر بین و ماتم کے بند ملاحظہ ہوں۔

ادھر یہ حال تھا خیمے میں اُم لیلیٰ کا
رواں تھا بی بی کے آنکھوں سے خون کا دریا
جگر کو تھام کے فضہ سے یہ سوال کیا
پسر کی لاش کو لے آئے کیا شہ والا
میں اپنے چاند سے کڑیل جواں کو دیکھوں گی
لگی کہاں پہ ہے برچھی نشاں کو دیکھوں گی (۲۴)

☆

ابھی یہ بات کہی تھی کہ ایک شور اُٹھا
کہ لاش خیمے میں لاتے ہیں سید والا
عباسؑ سرخ لہو سے تو زرد تھا چہرہ
زمین پہ رکھ دیا لاشہ، زبان سے کچھ نہ کہا

پسر کا داغ ہے کس طرح دل کل آئے
حسینؓ خیمے سے روتے ہوئے نکل آئے (۲۵)

مرثیے کے آخر میں آغا سکندر مہدی اپنے قلم کے لئے دعا کرتے ہیں۔ کچھ مرثیوں میں دعا کو بطور خاص اہل بیت کے لئے استعمال کیا ہے۔

حق کی صدا بہار ہیں گلگوں قبا کے پھول
قاسم کے پھول لخت دلِ مجتبیٰؐ کے پھول
آغا اُٹھاؤ پلکوں سے صبر و رضا کے پھول
اہل عزا کو پیش کرو تم دعا کے پھول
مولا کی رہبری میں راہ عمل ملے
دنیا میں آبرو رہے عقبیٰ میں پھل ملے (۲۶)

☆

مقبول مرثیہ ہوا، آغاؔ دعا کرو
کس درجہ اوج پایا ہے شکر خدا کرو
مجلس میں اور ذکر شہ کربلا کرو
اس طرح روز و شب یہ عبادت کیا کرو
ہو گا کرم جو بادشہ کائنات کا
یہ مرثیے بنیں گے وسیلہ نجات کا (۲۷)

☆

اے طبع رسا تھم کہ نہیں طاقت گفتار
مجلس میں ہوئے جاتے ہیں بے حال عزادار
آغا بہ طفیل پسر حیدر کرار
دامن میں تیرے آئے ہیں کیا کیا در شہوار
کیا مرثیہ گوئی کی تری دھوم مچی ہے
شہرت کا سبب ذکر حسینؓ ابن علیؓ ہے (۲۸)

فنی روایت کی تشکیل:

قدیم مرثیہ پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس کا مقصد خیال، مناظر، سراپا، پیراہن اور اس کے دیگر تلازمات مصنوعی زیادہ اور حقیقی کم تھے۔ مقصدیت کم اور ڈرامہ زیادہ تھا۔ آغا سکندر مہدی نے اردو مرثیے کو زندگی کی حقیقت کے بہت قریب کر دیا ہے۔ انہوں نے ڈرامائیت ختم کر کے فن کارانہ دل پذیری سے کام لیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیے کا ہیرو جنگ کے مرحلے سے

ضرور گزرتا ہے لیکن اس کے ہاتھوں میں تلوار نہیں اور یہ صرف اس لئے ہے کہ اب جنگ اور تلوار میں کوئی قابل یقین نسبت قائم نہیں رہی۔ اس زمانے میں جب تلوار سے گھاس کاٹنے اور زمین پر روئیدہ خس و خاشاک اڑانے کا کام لیا جاتا ہے۔ تلوار کے ذریعے جنگ جیتنے اور معرکہ آرائی کرنے کا تصور سراسر غلط معلوم ہوتا ہے اور آج کی ایٹمی دنیا کے تناظر میں قطعی خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے۔

آغا سکندر مہدی نے اپنے مرثیے سے واقعات کے ناقابل یقین پہلوؤں کو بڑی حد تک نکال دیا ہے۔ انہوں نے اپنے شاہکار مرثیوں کے چہروں میں خیالات کی جو جدید تشکیل کی ہے۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ وہ زندگی کو جغرافیائی اور موسمی پس منظر میں نہیں اُلجھاتے۔ ان کے خیال میں زندگی کوئی ایسا احساس بھی نہیں تھا جسے فقط انسانی رشتوں کے باہمی تعلقات کی مختلف حالتوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ وہ جدید دنیا کی طبقاتی اور جدلیاتی روش کو اس تاریخی پس منظر میں دیکھ رہے تھے جسے واقعہ کربلا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کشمکش ہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ایوان خسروی کا ہے دارالامان نام
باندی بنی کھڑی ہے جہاں عظمت عوام
جمہوریت کے نام یہ ہے آخری نظام
انسان کیا ہے وارث قابیل بے لگام
بغض و حسد میں سارے زمانے کو وار دے
سینے میں اپنے بھائی کے خنجر اُتار دے (۲۹)

اگر بغور دیکھا جائے تو اردو مرثیہ زندگی کے منشور غیرت اور غربت نفس کی ایک شرح ہے۔ اس لئے اس کا مقصد خیالِ زندگی کی توانائی اور احساس کی گرمی سے بھرپور ہونا چاہئے۔ چنانچہ مرثیہ معلی کے بیشتر مرثیے اور خصوصاً وہ جن کے مطلع درج ذیل ہیں عزم وہمت کی منادی ہیں۔

ع　ہے گرفتار ازل سے انسان

(تیسری جلد)

ع　انسان کو آج امن و سکوں کی تلاش ہے

(تیسری جلد)

ع　بزم جہاں میں آج عجب خلفشار ہے

(تیسری جلد)

ع　مجلس میں ذکر عظمت نوع بشر ہے آج

(دوسری جلد)

حقیقت یہ کہ انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیے کے تمام اجزاء سے لے کر ان کی جزئیات تک کو کچھ اس انداز میں سمو لیا ہے کہ اظہار عقیدت کے سوا اس میں کوئی نئی راہ پیدا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن جن عظیم شخصیتوں کی حیات طیبہ کا مرثیہ ترجمان ہے وہ لامحدود

جاذبیت اور وسعت کی مالک اور عظیم اخلاق کا آئینہ ہیں۔ اور ان کا ذکر اگر اخلاص سے کیا جائے تو مرثیہ میں خود نئی راہیں ہر شخص کے اپنے حوصلے اور ظرف کے مطابق نکلتی آتی ہے۔ البتہ یہ شرف دبیرؔ کو ہمیشہ حاصل رہے گا کہ جملہ اصناف شاعری میں جو رعنائیاں ہیں ان کو بڑی مہارت سے انہوں نے مرثیے میں اس طرح جذب کر لیا کہ مرثیہ میں ہر صنف شاعری کے محاسن جھلکنے لگے۔ کہیں غزل کی کیف سامانیاں ہیں، کہیں قصیدے کا شکوہ الفاظ، کہیں مثنوی کی واقعات نگاری اور منظر کشی ہے تو کہیں فردوسیؔ کی رزمیہ شاعری کی جھلک اور کہیں سعدیؔ و رومیؔ کا جذبہ اخلاص ہے۔ انیسؔ و دبیرؔ کا مرثیہ مجموعی حیثیت سے لکھنوی تہذیب کا ترجمان تھا۔ تہذیب کے مختلف عناصر کے امتزاج سے اس مرثیے کی روایات ترتیب دی گئی تھیں۔ اس تہذیب کے خاتمے کے ساتھ ہی متعلقہ روایات اور اصناف کی مقبولیت کم ہونے لگی۔ آنے والے شعراء کوئی نئی بات پیدا نہ کر سکے۔ روایتی مضامین کی تکرار سے مرثیہ اپنی کشش کھو بیٹھا۔ مرثیہ گوؤں نے جدید تقاضوں کو لبیک نہ کہا۔ نتیجتاً یہ صنف زوال کا شکار ہونے لگی، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد شعراء کی ایک نئی جماعت سامنے آئی جنہوں نے مرثیہ گوئی میں نئی راہیں نکالنے کی کوشش کی۔ ان نئے مرثیہ گوؤں میں آغا سکندر مہدی بھی شامل ہیں۔ آل رضاؔ، جوشؔ، نجمؔ آفندی کے ساتھ ساتھ آغا سکندر مہدی وغیرہ نے نئے دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے محسوس کیا کہ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ گھوڑے اور تلوار کی جزئیات میں دور حاضر کے لئے کشش نہیں، یہ حقائق کو بے نقاب کرنے کا دور ہے۔ فیضان نور رسالت سے قلوب کو مائل کرنے اور ان کو پاکیزگی بخشنے کا دور ہے۔ صحت عقیدہ، حسن معاشرہ اور تہذیب نفس پر نوجوانوں کو گامزن کرنے کی ضرورت ہے ان سب حقائق کے ادراک کے بعد آغا سکندر کے لئے ان کے ذوق طبعیت نے خود مرثیے میں راہ نکال لی جو مرثیے میں خاص ان کا رنگ ہے۔

آغا سکندر مہدی رسولؐ اور آل رسولؐ کی صحبت کو نقطہ ایمانی قرار دے کر پہلے توحید کا بیان کرتے ہیں پھر رسالت کا، دونوں جگہ توفیق الٰہی ان کی دستگیری کرتی ہے۔ پھر آستانہ نبوت سے یہ عقیدت اور محبت ان کو آل رسول کے قدموں میں لا ڈالتی ہے۔ وہ حضرت امام حسینؓ کی آل، اولاد، اقربا اور رفقاء ہر ایک کا ذکر اس اخلاص و محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں کہ سننے والوں کے دل گداز ہو جاتے ہیں۔

آغا سکندر مہدی نے اظہار کو نئے رُخ دے کر اسلوب کی ایک نئی راہ نکالی ہے اور یہ ایک ایسا طرز اظہار ہے جو پہلی تحریروں اور اظہار کے پیرایوں سے زیادہ موثر بھی ہے اور خوبصورت بھی۔ مرثیے کی مضبوط اور مستحکم شعری روایت میں آغا سکندر مہدی نے جو نئے تجزیے کئے وہ نہ صرف مرثیے کا نیا قالب اظہار ثابت ہوئے بلکہ جدید اردو نظم نگاری میں اک نئی ہیت ترکیبی کا منفرد، نمونہ بھی ہیں۔ شاعرانہ اخلاق کا عمل اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ مرثیہ کے عناصر ترکیبی، چہرہ، سراپا، رجز، جنگ، شہادت، بین، تلوار اور دعا سے بالکل ہٹ کر ایک نئی ترکیبی ہیت کو جنم دیا جائے۔ جیسا کہ ڈاکٹر اسد اریب لکھتے ہیں۔

> ”آغا سکندر مہدی نے مرثیے کے نظام تشکیل کو نئے سراپا سے متعارف کیا۔ انہوں نے مرثیے کا چہرہ، نفس انسانی کو ایسی واردات و کیفیات سے مرتب کیا جو مرثیے کے مرکزی کردار سے ایک خصوصی نسبت بھی رکھتی ہیں۔ یہ عمل مرثیے کی روایتی ہیت میں ایک ایسا اضافہ ہے جو مرثیے کو نئی اردو شاعری کے قریب لے آتا ہے۔“(۳۰)

آغا سکندر مہدی تجدید پسند شاعر ہونے کے ساتھ مزاجی کیفیات کے اعتبار سے خطیبانہ فکر کے حامل بھی تھے اور خطابت ان کے علمی وظائف کا ایک مرغوب مشغلہ بھی تھی۔ اپنے شعری عمل میں بھی انہوں نے اس میدان کو برقرار رکھا۔ انہیں اپنے مجمع

میں جن مضامین کی پذیرائی اور جن خیالات کا جذبہ زیادہ محسوس ہوتا ان احساسات و تاثرات کو ترکیب شعر کے وقت بھی مد نظر رکھتے۔ اس انداز نظر سے مرثیے کی مجموعی ساخت متاثر ہوئی اور اس لئے ان کا مرثیہ روایتی مرثیے کی بجائے نئی تشکیلات کا مرثیہ بن گیا۔ انہوں نے اپنے عہد کے نقادوں کے اس انتباہ پر بھی کوئی توجہ نہیں دی کہ مرثیہ روایتی عناصر ترکیبی سے منحرف ہو کر مسدس بن جائے گا۔ کیونکہ وہ مرثیے کے سفر کو آگے بڑھانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں جو ظاہری اقدامات انہوں نے کئے یہ تھے کہ مرثیے سے رجز اور جنگ کے مناظر سے توجہ ہٹائی۔ مرثیے سے مطلع ثانی کی روش ختم کر دی کیونکہ مطلع ثانی اصل خیالات سے ایک لخت گریز کا عمل تھا۔ قدماء کے یہاں مرثیوں میں جہاں جہاں مطلع ثانی ہے وہاں خیالات کے اعتبار سے مرثیہ دو لخت دکھائی دیتا ہے۔ اور خیالات کی اس روش سے مرکزی فکر معدوم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور آغاؔ نے ہیئتوں کے اصول کو بھی پورے طور پر تسلیم نہیں کیا اور آغاؔ نے اپنے معاصر ناقدین کو مطمئن کرنے کے لئے مرثیہ معلی جلد اول کے دیباچے میں اس امر کا اقرار بھی کیا کہ واقعی انہوں نے بعض باتیں اصول قدماء کے بر خلاف پابندی ردیف کے بغیر لکھی ہیں ملاحظہ ہوں۔

اٹھ گیا خانہ کعبہ سے بتوں کا سایہ
مرثیہ دوش محمد ﷺ یہ علی نے پایا

(جلد اول)

نماز حسن عمل چہرہ اقدس پے ملے
رونق شہر لیے، شاہ مدینے سے چلے

(جلد اول)

ایک بھی لفظ بجز وحی الٰہی نہ کہا
منہ سے جو بات بھی نکلی ہوئی پیغام خدا

(جلد دوم)

پر تولے نور لیے حق الہہ پر آیا
نور حق دیکھ کے باطل کو پسینہ آیا

(جلد دوم)

مسدس کے دو شعروں میں بھی حروف قافیہ کا التزام اصول کے مطابق نہیں کیا اور کہیں کہیں تو صرف ایک حروف قافیہ اور حروف روی ہی سے قافیہ کی تشکیل کر دی ہے۔

زلفیں ہیں یا کہ یہ شمشیر حیدری
مثل گل شگفتہ ہیں رخسار نقرئی
آنکھیں ہیں یا کہ نور کی کلیاں کھلی ہوئی
صبح یقین چہرہ اقدس کی تازگی (۳۱)

مرثیہ معلی کی تین جلدیں ۱۶ مرثیوں سے عبارت ہیں۔ پہلی دو جلدیں شاعر کی زندگی میں طبع ہوئیں اور تیسری جلد بعد موت۔ یہ تینوں جلدیں مرثیے کے نئے افق کی لکیریں ہیں۔ وہ مرثیے جو شائع ہوئے اور وہ مرثیے جو ہنوز تشنہ ترتیب ہیں احساس اور تخیل کی نئی فضاء میں پروان چڑھے ہیں۔ شاعر کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اردو مرثیے کو تازہ ہوا کی ضرورت تھی اور اس ہواریزی کو قسام اِزل نے اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

قصر الفاظ میں روشن ہے لہو کہ قندیل
رشک فردوسی و خیام میں افکار جمیل
ذکر پاکیزہ ہے عرفان خلیل
ہے مرا طرزِ سخن خود، میرے دعوے کی دلیل
گفتگو وقف جو ہے سید خوشبو کے لیے
شمع تدریس ہے نہ فکر ارسطو کے لیے (۳۲)

یا اپنی اس ندرت خیالی کو ایک اور مرثیے میں یوں ظاہر کیا ہے۔

اوج فلک پہ آج قلم کی نگاہ ہے
فانوس اعتماد کی تو خضر راہ ہے
قوس نظر میں سلطنت مہر و ماہ ہے
عنوان بیان کا قصر سپید و سیاہ ہے
پوشیدہ ہیں قلم میں جو جوہر کمال کے
آغوش شب سے لائے گا دین کو نکال کے (۳۳)

یہ سب احساسات یقین کی مبادیات ہیں جو کسی کامیاب شاعر کو حاصل ہونا چاہئے۔ آغا کے ہاں بھرپور ندرت خیال، احساس کی تاویل اور تخیل کی تنزیل مکمل طور پر موجود ہے۔ اس نے مرثیے کو رعایت لفظی کے غیر واجب اثر سے آزاد کیا جو مرثیے کی حیات نو کے لئے ضروری تھا۔ شاید یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ زندگی نئے انداز سے نئی منزل کے لئے سرگرم عمل تھی۔ اس سفر میں نئے راستے درپیش تھے۔ نئے راستے دنیا کی سائنسی ترقی، صنعتی جدوجہد اور سیاسی کشمکش نے بنائے ہیں۔ زندگی کا یہ کٹھن سفر ایسا آسان نہیں جو بغیر کسی عظیم رہنمائی سے طے کر لیا جائے۔

یہی ہے لرزش آدم کا اصل کفارہ
سیاہ خانہ دنیا میں نور کا دھارا
ہے سالکان وفا کے لئے قطب تارا
چراغ راہ گزر، روشنی کا سہارا
فضائے دہر میں سورج نیا اُترتا ہے
اسی سے رنگ رخ زندگی اُبھرتا ہے (۳۴)

مرثیے کا شاعر دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی کی تعمیر و ترتیب کے لئے کربلا کی خاک سے بڑھ کر کوئی خاک نہیں اور نوع بشر کی رہنمائی کے لئے حسینؓ اور انصار حسینؓ سے زیادہ عظیم کوئی جماعت نہیں کیونکہ اس طبقہ نے جتنے کامل الایمان اور مطمئن نفس انسانوں کو پیدا کیا وہ شہادت اور یقین کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مرثیے کا عام شاعر ہو یا خاص شاعر، آغا سکندر مہدی سب کی سوچ کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک زندگی نورِ ایمان کے بغیر ایک محیط اندھیرا ہے لیکن کربلا زندگی کے ان اندھیروں میں روشنی کا منارہ ہے۔ جوں جوں حقیقتِ شہادتِ حسین کی طرف بڑھیں گے روشنی پھیل جائے گی اور ہم پر زندگی کے راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ حیاتؔ میرٹھی، بہاول پور کا شعری ادب، بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۷۱ء، ص ۳۴۹
۲۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد اول)، لاہور: مکتبہ اشاعت ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۴
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۱
۴۔ ایضاً، ص ۲۵۹
۵۔ ایضاً، ص ۴۰
۶۔ ایضاً، ص ۲۱۹
۷۔ ایضاً، ص ۲۵۹
۸۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد دوم)، لاہور: مکتبہ اشاعت ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۲۹
۹۔ ایضاً، ص ۳۳
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۷۰
۱۱۔ ایضاً، ص ۳۰۷
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۷۴
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۴۶
۱۴۔ ایضاً، ص ۲۴۵
۱۵۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد اول)، ص ۳۱۶
۱۶۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد دوم)، ص ۲۵۲
۱۷۔ ایضاً، ص ۳۱۷
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۹۶
۱۹۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد اول)، ص ۱۳۷
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۲۱۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد دوم)، ص۹۹

۲۲۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد اول)، ص۲۰۰

۲۳۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد دوم)، ص۳۰۱

۲۴۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد اول)، ص۵۰

۲۵۔ ایضاً، ص۵۱

۲۶۔ آغا سکندر مہدی، مرثیہ معلی (جلد دوم)، ص۳۰۲

۲۷۔ ایضاً، ص۱۷۹

۲۸۔ ایضاً، ص۲۳۸

۲۹۔ ایضاً، ص۲۵۳

۳۰۔ ایضاً، ص۱۶۰

۳۱۔ ایضاً، ص۲۷۰

۳۲۔ ایضاً، ص۲۲۱

۳۳۔ ایضاً، ص۳۰۷

۳۴۔ ایضاً، ص۲۵۱

Reference in Roman Script:

1. Hayyat Meerthi, Bahawalpur ka shairi adab, Bahawalpur،Urdu Academy, 1971, p.349
2. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Awal), Lahore ،Maktaba Ishat-e-Adab, 1977, p.174
3. Ibid, p.191
4. Ibid, p.259
5. Ibid, p.40
6. Ibid, p.219
7. Ibid, p.259
8. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Dowom), Lahore ،Maktaba Ishat-e-Adab, 1977, p.29
9. Ibid, p.33
10. Ibid, p.270
11. Ibid, p.307
12. Ibid, p.274
13. Ibid, p.246
14. Ibid, p.245
15. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Awal), p.316
16. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Doum), p.252
17. Ibid, p.317
18. Ibid, p.296
19. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Awal), p.137
20. Ibid, p.138
21. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Doum), p.99
22. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Awal), p.200
23. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Doum), p.301
24. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Awal), p.50
25. Ibid, p.51
26. Agha Sikandar Mehdi, Marsia Mualla (Jild Doum), p.302
27. Ibid, p.179
28. Ibid, p.238
29. Ibid, p.253
30. Ibid, p.160
31. Ibid, p.270
32. Ibid, p.221
33. Ibid, p.307
34. Ibid, p.251